

تفسير احمد

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ
Ketabton.com

جزء - 30

سوره «التكوین» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانی »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة التکویر

پارہ (30)

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی یہ "29" آیتوں پر مشتمل ہے

وجه تسمیہ:

اس سورت کا آغاز رب تعالیٰ کے فرمان (اذالشمسُ کُورَت) کے لفظ "تکویر" سے کیا گیا ہے۔

اس سورت کا دوسرا نام "کُورَت" ہے، لفظ "کُورَت" اس سورت کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے، "کُورَت" ماضی مجہول کا صیغہ "تکویر" کے مصدر سے لپیٹنے کے معنی میں ہے۔

واضح رہے کہ یہ سورہ سورہ "مسد" کے بعد مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ "تکویر" سورج کا لپیٹنا، اور اس کی روشنی ختم کرنا۔

اس سورت کا نام قیامت سے پہلے موجودہ نظام میں رونما ہونے والے حوادث میں سے ایک عظیم حادثے کی طرف اشارہ کرتی ہے، سورج سے متعلق پیش آنے والا واقعہ، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور رحمت کے واضح ترین مظاہر میں سے ایک ہے، اور یہ اس مہم کو بیان کرتی ہے کہ انسان اس انجام کو پہنچتا ہے جس کا آغاز اس نے خود ہی کیا ہے، البتہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات کے وقوع پزیر ہونے کے بعد لوگوں کی آزمائش اور حساب ہوگا، اور کرۂ ارض میں ایسے لوگوں کا وجود جو خدا کی تدبیر کو قبول نہیں کرتے اور اسے برداشت نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ کی تدبیر میں ذرہ برابر بھی خلل پیدا نہیں کرسکتے، اگر کوئی شخص سورج کی روشنی نہ دیکھ سکے تو مسئلہ اس کی آنکھوں کا ہے، نہ کہ سورج کی روشنی کا۔

سورة التکویر کے نزول کا وقت:

سورہ مبارکہ کے مشتملات اور طرز بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس سورہ نے بعثت کے ابتدائی دور میں شرف نزول پایا ہے۔ مکی سورتوں کی بعض خصوصیات:

- 1 - زیادہ قسمیں کھانا
- 2 - اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان کا موضوع اور جنت کی صفات
- 3 - چھوٹی آیتیں
- 4 - مشرکین سے بحث اور جدال
- 5 - قصص اور واقعات
- 6 - یاأیُّہا النَّاسِ عبارت کا ذکر
- 7 - جہاد کی بات کرنا

سورہ تکویر کا سورہ عَبَسَ سے ربط و مناسبت:

دونوں سورتیں قیامت کے عظیم اور سخت واقعات کو بیان کرتی ہیں، عَبَسَ (آیات مبارکہ: 33 تا 42) اور سورہ تکویر (آیات مبارکہ: 1 تا 14)

سورة التکویر کی آیات ، کلمات اور حروف کی تعداد:

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اور مکی سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ التکویر کا ایک (1) رکوع ہے، انتیس آیتیں (29)، اور ایک سو چار (104) الفاظ، چار سو چھبیس (426) حروف، اور دوسو انتیس (229) نقطے ہیں۔ (یہ بات ذکر کرنا لازم ہے کہ علماء کے اقوال سورتوں کے حروف کی تعداد گننے میں مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے سورہ "طور" تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)۔

سورت سے واقفیت:

اس سورت کے جملے مختصر لیکن فیصلہ کن اور دلکش ہیں، اور سورت کے موضوعات سے ہم آہنگ ہیں، سورت کے پہلے حصے میں قیامت کی ابتدائی حالت اور تمام نظام شمسی کے تاریک ہوجانے اور ہرچیز کے ٹوٹنے اور اس دنیا کے موجودہ نظام کے زوال کے بارے میں بات کی گئی ہے، پھر اس نے لوگوں کے قبروں سے ٹولیوں کے شکل میں اٹھنے اور خدا کی طرف جانے کا نقشہ کھینچا ہے۔

زمانہ جاہلیت کا سب سے گھناؤنا گناہ یعنی: لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا تھا، اس کو یہاں ذکر کیا گیا ہے، جنت اور جہنم کے مناظر کا بھی ذکر ہے، جسے دیکھ کر انسان سوچتا ہے کہ اس نے ان دونوں آخری ٹھکانوں کے لیے کیا تیاری کی ہے، پھر اس دنیا کی وسعت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اور اپنے پیغام کی صداقت کا حوالہ دیتے ہوئے مدعو سامعین کی توجہ اس بات کی طرف دلاتا ہے، کہ اگر اس داعی کے پیغام کا موازنہ دوسرے دعوت دینے والوں کے پیغام کے ساتھ کریں گے، اور پھر اس کے بارے میں فیصلہ کریں گے، تو یقیناً آپ کو اس کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا۔

سورة التکویر کی فضیلت:

ایک حدیث شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ: (انلشمس کورت، اذا السماء انفطرت، اذالسماء انشقت)، کو دیکھے۔

اس سورت کی تلاوت کی فضیلت:

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو پڑھتے ہیں کہ: جو شخص

سورہ (اذالشمس کورت) کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کو اس دن کی رسوائی سے کہ جس دن اس کا نامہ اعمال کھولا جائے گا اس کی حفاظت کرے گا۔ دوسری حدیث ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اتنی جلدی بڑھاپے کے آثار آپ پر کیوں نمایاں ہو گئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عمّ، اور اذالشمس کورت" نے مجھے بوڑھا کر دیا، اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کے ہولناک حوادث کا ذکر اتنا زیادہ ہوا ہے کہ وہ باشعور اور جاگتے انسان کو بہت جلد بوڑھا کر دیتا ہے۔

مذکورہ بالا روایات میں جن تعبیرات کا ذکر ہوا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت سے وہ تلاوت مقصود و مطلوب ہے جو علم، ایمان اور عمل کا سرچشمہ ہو۔

سورت کا خلاصہ:

پہلے مرحلے میں یہ سورت ان افراد کو سرزنش اور ملامت کرتی ہے جو اکثر فرض کی گئی باتوں اور خیالات کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، عام طور پر اس سورت کے مشتملات میں دو اہم محوروں پر بحث کی گئی ہے۔

- 1- اس سورت کی ابتدائی آیات قیامت کی نشانیوں، اور اس جہان کے آخر میں بڑی تبدیلیوں کے ساتھ قیامت کے آغاز کو بیان کرتی ہیں۔
- 2- سورت کا دوسرا حصہ قرآن اور اس کے لانے والے کی عظمت اور انسانی نفس پر اس کے اثرات بیان کرتا ہے، یہ حصہ بیدار کرنے والی قسموں اور معافی سے بھرپور ہے۔

اس سورت کا سیاق:

اگر آیت (1-14) کا خلاصہ ملاحظہ کریں تو اس کے موضوعات میں شامل ہے: تنبیہ، ڈرانا، اور انسان کو قیامت کے دن اپنے اعمال سے آگاہ اور باخبر کرنا، اور اس میں یاد دہانی کی گئی ہے کہ: اس دنیا کا موجودہ نظام لپیٹ لیا جائے گا ایک نیا اور پہلے سے معین کردہ نظام اس کی جگہ لے گا: إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ» (۱) وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (۲) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۳) وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۴) وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (۵) وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۶) وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۷) وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (۸) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۹) وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۱۰) وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (۱۱) وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (۱۲) وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (۱۳) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أُخْضِرَتْ (۱۴)

اسی طرح آیت (15 – 29) تک یہ ہے کہ: وحی کے ایک لفظ سے بھی نہ ہٹیں بلکہ اس کو یاد رکھیں۔

انسان کو اس کے روزقیامت کے اعمال سے آگاہی دینا اس کا ثبوت ہے کہ یہ قرآن جبرئیل امین کے لئے ہوئے الفاظ ہیں اور وحی ہیں، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات اور شیاطین سے دریافت نہیں کیا ہے، پھر کیوں اس سے دوری اختیار کرتے ہو، اس سے دور رہنے سے بہتر ہے کہ اسے یاد رکھو: فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ (۱۵) الْجَوَارِ الْكُنُوسِ (۱۶) وَاللَّيْلِ إِذَا عَسَسَ (۱۷) وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۱۸) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۱۹) ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۰) مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (۲۱) وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (۲۲) وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ (۲۳) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۲۴) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۲۵) فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ (۲۶) إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (۲۷) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ (۲۸) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۹).

سورہ تکویر کے اخلاقی اور معاشرتی نکات

- 1 - مظلوم کا دفاع کرنا کفر اور اسلام سے تعلق نہیں رکھتا، اس لیے کہ زندہ دفن ہونے والی بیٹیاں مسلمان نہیں تھیں، لیکن قرآن کریم نے وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ کے انداز میں ان لڑکیوں کے حق کا دفاع کیا ہے۔
- 2 - سوال کے ذریعے ضمیروں کو جگایا گیا ہے (بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ)۔
- 3 - وقار اور عظمت، قابلیت اور طاقت، فرمانبرداری اور قابل اعتماد قوتوں کا ہونا پیغام اور ارشادات کے پہنچانے کے لیے ضروری شرائط ہیں۔
- 4 - کبھی کبھی تہمتوں اور الزامات کا جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ ان کا جواب دینا چاہیئے (وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ)۔
- 5 - تبلیغ دین کا طریقہ نصیحت ہے، جبر نہیں: (ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ)
- 6 - انسان نہ بغیر ارادے کے ہے اور نہ ہی مکمل خود مختار۔
- 7 - چونکہ خدا تعالیٰ رب العالمین ہے، اس لیے تمام امور اس کے قبضے میں ہیں، اور انسان کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے۔

سورة التکویر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ وَقَدْ رَأَاهُ بِالْأُقْحُوقِ الْمُبِينِ ۝ وَمَا بُوْعِلِيَ الْعَيْنِ بِضَيِّقٍ ۝ وَمَا بُوْعِقُولِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ فَأَيْنَ تَذَبُّونَ ۝ إِنْ بُوَالَا ذِكْرٌ لِلْعَلَمِينَ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَفِيعَ ۝ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَلَمِينَ ۝

سورت کا لفظی ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝	جب سورج لپیٹ لیا جائے گا (1)
وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝	اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے (2)
وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝	اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے (3)
وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝	اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی (4)
وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝	اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے (5)
وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝	اور جب دریا آگ کی طرح بھڑکائے جائیں گے (6)
وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝	اور جب روہیں (بدنوں) سے ملادی جائیں گی (7)
وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۝	اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی ہو پوچھا جائے گا (8)
بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝	کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی؟ (9)
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝	اور جب (عملوں کے) دفتر کھولے جائیں گے (10)
وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝	اور جب آسمان کا پردہ ہٹادیا جائے گا (11)

اور جب دوزخ (کی آگ) بھڑکائی جائے گی (12)	وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِرَتْ ۗ۱۲
اور جب جنت (پرہیزگاروں کے لیے) قریب لائی جائے گی (13)	وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْفَتْ ۗ۱۳
تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے (14)	عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۗ۱۴
ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں (15)	فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۗ۱۵
(اور) جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں (۱۶)	الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۗ۱۶
اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے (۱۷)	وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۗ۱۷
اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے (۱۸)	وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۗ۱۸
کہ بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے (۱۹)	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۗ۱۹
جو صاحبِ قوت مالکِ عرض کی ہاں اونچے درجے والا (20)	ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۗ۲۰
سردار (اور) امانت دار ہے (21)	مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۗ۲۱
اور (مگے والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد) دیوانے نہیں ہیں (22)	وَمَا صَادِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۗ۲۲
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے (23)	وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۗ۲۳
اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں (24)	وَمَا بُوَعِيَ الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۗ۲۴
اور وہ (قرآن) شیطانِ مردود کا کلام نہیں ہے (25)	وَمَا بُوِيعُوا شَيْطَانِ رَجِيمٍ ۗ۲۵
پھر تم کدھر جا رہے ہو (26)	فَأَيْنَ تَذُبُّونَ ۗ۲۶
یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے (27)	إِنْ بُوِيَآ ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۗ۲۷
(یعنی) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے (28)	لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَفِيعَ ۗ۲۸
اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہے (29)	وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۗ۲۹

تفسیر سورہ تکویر

محترم قارئین:

آیات مبارکہ (1 تا 14) میں قیامت کے دن کے ابتدائی حالات، جمع ہونا، خوف اور ڈر اور ہولناکی اور دہشت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ جب سورج کو لپیٹ لیا جائے گا (۱)

جب سورج کو لپیٹ لیا جائے گا، پکڑی لپیٹے اور کپڑے سمیٹنے کی طرح لایا جائے گا، اور اسے دنیا کی تباہی کی اعلان کے طور پر پھینک دیا جائے گا۔

حسن بصری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "کوّر" تکویر سے مشتق ہے، بے نور ہونے کے معنی میں ہے، اور پھینکنے کے معنی میں بھی آیا ہے، ربیع بن خثیم نے بھی ایسی تفسیر کی ہے، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سورج کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا، جس کی حرارت کی وجہ سے سمندر اور تمام دریا آگ پکڑیں گے، ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کہ پہلے سورج کا نور ختم کیا جائے اور پھر سمندر میں ڈالا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن چاند اور سورج (بے نور کر دیئے جائیں گے) سمندر میں ڈالے جائیں گے۔

مسند بزار میں ہے کہ: آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ نے ان آیات کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ: قیامت کے دن خدا تعالیٰ سورج، چاند، اور ستاروں کو بے نور کر کے سمندر میں ڈال دے گا، اور اس کے بعد تیز ہوا چلے گی جس کے اثر سے تمام دریا آگ بن جائیں گے، اسی طرح یہ بھی ٹھیک ہے کہ سورج اور چاند سمندر میں ڈالے جائیں گے، اور یہ بھی درست ہے کہ جہنم میں ڈالے جائیں گے، اس لیے کہ اس وقت سارے دریا جہنم میں پھینکے جائیں گے۔

(مستفاد من المظہری والقرطبی)

مفسرین کرام "اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: سورج کا نور جو ہر جگہ چمک رہا ہوتا ہے، اور میلوں دور دور تک پہنچ رہا ہوتا ہے، اور آب و تاب کے ساتھ تاباں ہے، قیامت کے آتے ہی اس کا نور منقبض ہو کر لپیٹا جائے گا اور نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔

سورج ایک چمکتا ہوا اور درخشاں نظام ہے جو کہ تدریجاً ٹھنڈا پڑ جائے گا، اپنی تپش اور روشنی کھودے گا، اور تاریک اور ٹھنڈے ستارے کی شکل اختیار کر جائے گا، جیسا کہ زمین سورج اور دوسرے نظاموں سے الگ ہونے کے بعد پہلے پھل گرم اور روشن اور آگ سے بھری تھی مگر پھر بہ تدریج سرد اور ٹھنڈی پڑ گئی، سرد اور تاریک مادے میں بدل گئی، اور اب نور اور حرارت سورج سے حاصل کرتی ہے، جبکہ اپنے سینے اور دل کی گھرائی میں اپنی حرارت کو محفوظ کیا ہے سب چیزیں اس کے اندر پگھلنے اور جوش مارنے کے مرحلے میں ہیں۔

لیکن اس کی بیرونی سطح ٹھنڈی اور تاریک ہے، سورج بھی زمانہ گزرنے کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔

"شمس" نور بکھرنے والے سورج کے معنی میں ہے، چمکنا اور روشنی دینا سورج کی صفت ہے، جو کہ (سورہ نبأ آیت : 13) بیان کیا گیا ہے۔
"كُوْرَتْ" لپیٹ لیا جائے اور بے نور ہو جائے، اس وقت جب سورج تاریک ہو جائے ، یعنی:

1 - اس کی روشنی غائب ہو جائے گی اور اندھیرا ہو جائے گا۔

2 - زمین پر گر جائے گا۔

3 - اس کی حرکت اور طلوع رک جائے۔

4 - لماء کے نزدیک "كُوْرَتْ" کے معنی : لپیٹنا، جمع کرنا اور گر جانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سورج اور چاند دونوں قیامت کے دن آگ میں ہونگے" "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ يُكْوَرَانِ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

اس کی وجہ ان کافروں کے عذاب کو بڑھانا ہے جو اس دنیا میں سورج اور چاند کی پرستش کرتے تھے تاکہ ان کو مزید عذاب اور تکلیف پہنچائے۔ (مشکل الآثار طحاوی : 183) و (الابانة الكبرى ابن بطه : 70) (والسلسلة الصحيحة : 124) حکم البانی: صحیح۔

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾	اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے (۲)
------------------------------------	------------------------------------

اور ان کا نور ختم ہو جائے گا، یا "انکدار" ان کے گر پڑنے کے معنی میں ہے، یا بکھرنے اور ان کی عمر ختم ہونے کے معنی میں ہے۔

قیامت آنے پر اور چمکتے دمکتے سورج جیسے مشعل تابان کے بجھنے پر تمام تارے تاریک ہو جائیں گے، ستارے جو کافی تعداد میں چمک رہے ہوتے ہیں، دراصل یہ تاریک ہیں، یہ اپنی روشنی دوسرے سرچشموں سے عاریتاً حاصل کرتے ہیں۔

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾	اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے (۳)
----------------------------------	--------------------------------

اس دن پہاڑ بکھری ہوئی ریت ہوجائیں گے، اور وہ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہوامیں اڑجائیں گے، پھر وہ متغیر ہوجائیں گے، اور اپنی جگہ سے اکھاڑے جائیں گے۔

"سُيِّرَتْ" پہاڑ اپنی جگہ سے اکھیڑ دیے جائیں گے اور ادھر ادھر دھکیل دیئے جائیں گے، روئی کی طرح پھسلتے ہوئے، اپنی جگہ سے اکھاڑ دیئے جائیں گے اور حرکت کریں گے۔

سورج اور ستاروں کے بعد زمین آہستہ آہستہ بدلتی رہے گی، زمین میں جو پہلے بدل جائیں گے وہ پہاڑ ہیں، (وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ) کہ پہاڑ مسلسل اور بہت زیادہ حرکت میں ڈالے جائیں گے، سورہ طہ کی دوسری آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت والے پیغمبر سے فرماتا ہے: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ) اور تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ (فَقُلْ يَنْسُفُهَا رَبِّي نَسْفًا، ۱۰۱) (طہ: 105) کہو: میرا رب ان کو ٹکڑے ٹکڑے اور ذرات میں تبدیل کریگا، (فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا، ۱۰۶) (طہ: 106) "ان پہاڑوں کو مکمل طور پر ہموار کر دے گا" زمین کی طرح برابر، (لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا، ۱۰۷) (طہ: 107) ترجمہ: "جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی)"

وہ پہاڑ جو زمین اور زمین والوں کا سہارا ہیں، ایسے پہاڑ کہ جہاں بھی ہوں، (استحکام اور استقرار) (سکون اور آرام) کے عوامل میں سے ہیں، انہی پہاڑوں کو چلایا جائے گا، اور اگر ہم ان مناظر کا تصور کر لیں تو یہ بہت اہم اور مؤثر ہوگا۔

اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی (۴)	وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ
--	------------------------------

اس دن لوگ اپنے سب سے قیمتی اموال کو جن کا وہ ہمیشہ خیال کرتے تھے چھوڑ دیں گے، اس لیے کہ ایسی حالت آئی گی کہ وہ اپنے سب سے مہنگی چیز کو بھول جائیں گے۔

عشار: ایسی اونٹنیوں کو کہتے ہیں جن کو تربیت اور نگرانی کر کے سدھا یا گیا ہو، اور ان کے پیٹ میں بچہ ہو، ایسی اونٹنیاں خاص طور پر اس لیے قابل ذکر قرار پاتی ہیں کہ عرب کے نزدیک نفیس ترین اور قیمتی ترین مال سمجھا جاتا تھا، یا یہ کہ قیامت کی ہیبت کے وجہ سے اونٹنیوں کے مالک ان کو یونہی چھوڑ دیں گے۔

عطلت: یعنی بغیر چرواہے اور نگرانی کے چھوڑ دیئے جائیں گے، اس عظیم خوف و ہراس کی وجہ سے جس کا یہ قیامت کو مشاہدہ کریں گے، یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اونٹوں کو بھی دوسرے جانوروں کی طرح وجود میں لایا جائے گا۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝	اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے (۵)
-------------------------------	---

یعنی: وحشی جانوروں اور جنگلی درندوں اور چوپایوں کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، اور باہمی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، پھر دوبارہ انہیں مٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا، ایک قول کے مطابق: ان کا حشر ان کی موت ہے۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝	اور جب دریا آگ کی طرح بھڑکائے جائیں گے (۶)
--------------------------------	---

بھڑکتے ہوئے شعلے کی صورت اور تباہ کن آگ بن جائیں گے، کوئی بعید نہیں کہ اس سے مراد زمین کے اندر کا پگھلنے والا آتش فشان کے پھٹنے کے وجہ سے خطرناک زلزلے ہوں، جیسا کہ آلسی جیسے بعض مفسرین کی رائے ہے۔

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ: اس اثنا میں لوگ بازاروں میں ہوں گے سورج کی روشنی اچانک چلی جائے گی، اور لوگ اس حال میں ہوں گے کہ پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے، پھر زمین میں ایک بڑی جنبش و حرکت برپا ہوگی، اس وقت جنات دہشت زدہ ہو کر انسانوں کی طرف بھاگیں گے، اور انسان جنات کی طرف، اور چوپائے عام جانور، پرندے اور درندے آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝	اور جب روہیں (بدنوں) سے ملادی جائیں گی (۷)
--------------------------------	---

یعنی: مؤمنوں کے نفوس کو حور عین کے ساتھ ملایا جائے گا، کافروں کو شیاطین کے ساتھ ملایا جائے گا، یا روحوں کو جسموں کے ساتھ ملایا جائے گا۔

حسن بصری اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: ہر ایک کو اس کی جماعت کے ساتھ ملایا جائیگا، یہودی کو یہودی کے ساتھ، نصاریٰ کو نصاریٰ کے ساتھ، اور مجوسیوں کو مجوسیوں کے ساتھ، منافقوں کو منافقوں کے ساتھ، اور اسی طرح مؤمنوں کو مؤمنوں کے ساتھ، پھر ہر کسی کو اپنے ہم فکر و ہم مذہب کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔

"نفوس" نفس کی جمع، جان اور روح۔

"زوّجت" اپنی اصل کا جوڑا بنایا، اور اپنی اصل یعنی جسم کی طرف لوٹ گیا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد جان جسم سے الگ ہوگی، اور یہ الگ آزاد طریقے سے رہے گی، جبکہ جسم مٹی میں تبدیل اور

دوسرے عناصر میں جذب ہوں گے، اور شکلیں اور چہرے جدید ترکیب اختیار کریں گے۔

ربّ غفور کے حکم سے جب دوسرا صور پھونکا جائے گا، تو پھر روحیں جسم میں واپس پلٹ جائیں گی، اور نئی دنیا میں آنکھ کھولیں گی، وہ ایک معجزے کے طور پر ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ﴿۱﴾	اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی ہو پوچھا جائے گا (۸)
------------------------------------	---

کہ کیوں مارا گیا؟ یہ سوال قاتل کی سرزنش اور اس کے ظلم کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ؟ ﴿۹﴾	کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی؟ (۹)
------------------------------	--------------------------------

جیسا کہ معلوم ہے کہ عرب کی ایک تعداد زمانہ جاہلیت (دامادی کے) عار سے اور فقر و تنگدستی کے اندیشہ سے اپنی لڑکیوں کو ولادت کے بعد زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، ان کو بوجھ اور اپنے لیے عار سمجھتے تھے۔

اس جاہلانہ عادت کی وجہ سے رب عظیم نے ان کو دھمکی دی (اور ان کی تنبیہ کی) لڑکیوں کے قاتل کو کہ جو بغیر کسی گناہ کے قتل کئے ہیں ان کا مقدمہ کیا جائے گا، اور ان زندہ درگور کی گئی لڑکیوں سے متعلق پوچھا جائے گا کہ کس جرم کی وجہ سے قتل کی گئی تھیں؟ ان کو لڑکیوں کا جواب یہ ہوگا کہ: بغیر کسی گناہ کے زندہ درگور ہوئی ہیں۔

جب یہ جواب ہوگا تو پھر قاتلوں سے حساب لیا جائے گا، یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کی اولاد کو عذاب نہیں دیا جائے گا، کیونکہ عذاب گناہ کے بدلے میں ہے، مشرکین کی اولاد جنت میں جائے گی۔

بیٹیوں کی فضیلت:

بیٹیوں کی فضیلت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، وہی مائیں، بہنیں، اور بیویاں ہیں، آدھا معاشرہ ان سے تشکیل پاتا ہے، اور باقی آدھا ان سے پیدا ہوتا ہے، گویا کہ وہ پورا معاشرہ ہیں۔

ملاحظہ کریں "تحفته المولود فی أحكام المولود" ابن القیم (صفحہ 16) بیٹیوں کی فضیلت پر دلالت کرنے والے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو والدین کے لیے ہبہ قرار دیا ہے، اور اس آیت میں ان کو لڑکوں سے مقدم رکھا ہے: : يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاءً وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (سورہ شوری: 49) یعنی: (اللہ تعالیٰ جسے چاہے بیٹی عطا کر دے اور جسے چاہے بیٹا)۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت بیان فرمائی ہے، ان کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے کی ترغیب دی ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں: "مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ" (بخاری صفحہ: 1418) اور (مسلم صفحہ 2629)۔

یعنی: جس شخص کو خدا تعالیٰ بیٹی عطا فرما کر آزمائش میں ڈال دے (اس کا والد اس کی عمدہ اور اچھی تربیت کرے) اور اس کے ساتھ اچھائی کرے، تو وہ بیٹی اپنے والد کے لیے دوزخ کی آگ سے ڈھال ہوگی، (مأخوذ از کتاب (الایمان بالقضاء والقدر)۔

بچیوں کو زندہ دفنانے کے بہانے

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ: عرب کے دور جاہلیت کی ثقافت میں بیٹے ہونے کو باعث عزت اور فخر جبکہ بیٹی کی پیدائش کو باعث عار سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٌ" (نحل آیت: 58)۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی تو شدید غصہ کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے، وہ غصے سے بھر جاتے۔ "يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِمِ" (سورہ نحل آیت: 59) یعنی: اس بُری بشارت کے ملنے پر وہ اپنے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور وہ نہیں جانتا کہ) وہ اس بیٹی کو ذلت اور پریشانی کے ساتھ رکھے یا (زندہ) مٹی کے نیچے گاڑ دے، جی ہاں، یہ لوگ بہت ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں!

قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ: زمانہ جاہلیت میں عرب میں سے کسی کو جب خبر ملتی کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ غصے سے سیاہ ہو جاتا تھا۔

اس خبر کی بُرائی اور عمومی سوچ کے دباؤ سے جس کو وہ بُرا سمجھتے تھے وہ چھپ جاتا، اور اس سوچ میں پڑ جاتا کہ وہ اس نوزائیدہ بیٹی کو پالے، اور تمام ذلت و خواری کو برداشت کرے، یا یہ کہ اس کو زندہ دفنادے، ان میں سے اکثر کی سوچ نوزائیدہ بیٹیوں کے متعلق یہی تھی۔ مفسرین نے زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

1- لڑکیوں کا معیشت اور پیداوار میں کوئی کردار نہیں تھا اور وہ زندگی کا بوجھ تھیں: وَ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ إِيَاهُمْ...»، (سورہ انعام آیت: 151) اور اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کریں؛ ہم تمہیں اور انہیں روزی دیتے ہیں۔

2- زمانہ جاہلیت میں عام طور پر عرب قبائل کے درمیان جنگیں ہوتی تھیں، ان کی فنا و بقاء کا تعین ان جنگوں میں ہوتا تھا، اس لیے ان جنگوں کے لیے وہ بہادر بیٹے چاہتے تھے، یہ کام عورتوں اور لڑکیوں کی استطاعت سے باہر تھا۔

3 - جنگوں میں لڑکیاں جب دشمن کی قید میں چلی جاتیں تو جنسی تشدد کے بھینٹ چڑھ جایا کرتیں، ان مشکلات سے بچنے کے لیے ان کو زندہ دفناتے تھے۔

زمانہ جاہلیت کی اصطلاح

زمانہ جاہلیت کا جملہ اسلام کی اصطلاح اور تصور میں ایسا نام ہے جو مقدس دین اسلام کے ظہور سے قبل عرب کی فکری حالت کو بتاتا ہے۔ یہ اصطلاح قرآن میں ہے، اگرچہ اس کی مختلف تفسیریں ہوئی ہیں، اہل سیر اور محققین اپنی اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ اس لفظ کو عرب کے زمانہ قبل از اسلام کے لیے اشارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

دور جاہلیت میں جزیرہ نما عرب کے لوگ بت پرست تھے، اور بہت سارے بتوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے لیے قربانی کرتے تھے، دین اسلام کے ظہور کے بعد بت پرستی کا رواج مکمل طور پر لپیٹ لیا گیا۔

دور جاہلیت کی ابتدا اور انتہا میں مسلم محققین کے درمیان اختلاف ہے، ان میں سے بعض اس کو حضرت نوح اور ادریس کے درمیان کا دورانیہ کہتے ہیں، اور بعض علماء حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کا دورانیہ، اور بعض دوسرے اس کو حضرت عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا دورانیہ قرار دیتے ہیں۔

بہ ہر حال دور جاہلیت کے اس زمانے کے اختتام کا وقت کچھ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور کچھ لوگ فتح مکہ کو سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لیے دیکھئے (فارسی کے نفوذی راستے جاہلی عرب کی ثقافت اور زبان میں : صفحہ 160)۔

محترم قارئین:

آیات مبارکہ (10 تا 29) قرآن کے نزول کا ثبوت، اور نبوت کا ثبوت کے موضوعات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

اور جب (عملوں کے) دفتر کھولے جائیں گے (۱۰)	وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰
--	--------------------------------

پھر بعض اپنے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں لیے ہوں گے، اور بعض نے اپنے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے لیے ہوئے ہوں گے۔
"صُحُفٌ" اعمال نامہ

"نُشِرَتْ" نشر کرنا، علماء کے قول کے مطابق: اسے نشر کیا جائے گا (المفتوح)۔
یعنی: انسان کے اعمال کی کتاب انسان کو کھلی شکل میں دی جائے گی، اور ہم اپنے اعمال کو دیکھیں گے، یہیں اعمال نامے تقسیم کئے جائیں گے اور منتشر ہو جائیں گے۔ (وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلَمْنَهُ لِحَرَّتِهِ فِي عُنُقِهِ ۝ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝۱۳) (الاسراء: 13) ترجمہ: "اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو

بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فِكَلِمَةً طَيِّبَةً" (متفق عليه) ترجمہ: تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت جلد کلام فرمائے گا، اس طرح کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پھر اپنی دائیں جانب دیکھے گا، تو اپنے وہ اعمال دیکھے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے، اور اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو وہ اپنے اعمال کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا، پھر آگ اس کا استقبال کرے گی، جو آدمی یہ طاقت رکھے کہ وہ آگ سے بچے خواہ وہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو تو وہ ایسا کرے، اگر کھجور کے صدقے کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو اچھی باتوں سے خود کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

جب یہ سارے ہولناک واقعات رونما ہو جائیں گے تو لوگوں کی شناخت ہو جائے گی، ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنی آخرت کے لیے کیا لایا ہے، اور جو اچھائی اور بُرائی کی تھی جان لے گا، اس دن سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، اور چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور دونوں کو آگ میں ڈالا جائے گا۔

جانوروں کا حشر قیامت کے دن:

مفسرین کرام قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ: چونکہ حیوانات میں بھی روح ہوتی ہے وہ بھی روز محشر زندہ کئے جائیں گے، اور حساب و کتاب کے لیے پیش ہونگے، پھر دوبارہ وہ ختم ہو جائیں گے، جبکہ جنت اور جہنم انسان اور جنات کے لیے خاص ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَيَّ رُبُّهُمْ يُحْشَرُونَ (سورہ انعام 38)

ترجمہ: اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دوپروں سے اڑنے والے پرندے ہیں، وہ بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں، ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز کی لکھنے میں کوتاہی نہیں کی، پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

دوسری جگہ فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيَّ جَمْعُهُمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ (سورہ شوریٰ 29) ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں، اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان دونوں آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سب کا حشر ہوگا جیسا کہ کتا و سنت اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ: ج- 248/4)

اور جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ : (إِنَّ اللَّهَ لَيَقْتَصُّ لِلشَّاةِ الْجَلَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْفَرْنَاءِ) (مسلم 2582) ترجمہ: اللہ تعالیٰ بغیر سینگ کے بکری کا قصاص سینگ والی بکری سے لے گا، یہ بھی حشر میں حیوانات کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

امام نووی مذکورہ حدیث کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ: یہ حدیث قیامت کو حیوانات کے زندہ کیے جانے پر صریح دلیل ہے، اور ان کا پلٹنا انسانوں کی پلٹنے کی طرح ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: (وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ) **ترجمہ:** اس دن کی قسم جس دن حیوانات کو جمع کیا جائے گا۔

علماء کہتے ہیں کہ: سزا اور عذاب ان کے پلٹنے اور حشر کے لیے شرط نہیں ہے، اور مذکورہ بالا حدیث میں قصاص سے مراد قصاص تکلیف نہیں ہے، بلکہ قصاص یہاں مقابلہ بالمثل ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵	ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں (۱۵)
---------------------------------	--

فَلَا أُقْسِمُ : اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں : (واقعہ/75، حاقہ/38، معارج/40، قیامہ/1 و 2)۔

(الْخُنَّسِ) خانس کی جمع ہے، واپس لوٹنے والے، پیچھے رہنے والے، اس سے مراد تمام ستارے ہیں، جو سورج نکلتے ہی ہم انسانوں کی نظروں سے خود کو پیچھے ہٹاتے اور اپنے ٹھکانوں کی طرف سرکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

قسم کے دلائل:

1- اہل عرب اپنی گفتگو میں زیادہ قسمیں کھاتے ہیں، اور قرآن کریم بھی عربی زبان میں ہے۔

2- کافروں سے بات کرتے وقت اللہ تعالیٰ تاکید کے لیے زیادہ قسمیں کھاتا ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔

3- کلام کی تاکید کے لیے۔

صرف اللہ کی قسم کھانی چاہئیے، انسان کو غیر اللہ کی قسم نہیں کھانی چاہئیے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات پر قسم کھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کی تاکید بنانے کے لیے: "فَلَا أُقْسِمُ" کی اصطلاح استعمال کی ہے، اس کی دلیل سورۃ الواقعة کی یہ دو آیت ہیں: "فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْعِدِ النُّجُومِ ۝۷۵ وَإِنَّهُ لَفَسَمٌ لَّو تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝۷۶" ترجمہ: "ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے"

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶	(اور) جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں (۱۶)
---------------------------	---

مفسر قرطبی کہتے ہیں: وہ ستارے جو دن کو چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں، اور غروب کے وقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، جس طرح ہرن غار میں چھپ جاتا ہے (یہ قول حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور حسنؓ کا ہے) تفسیر طبری میں یہی مذکور ہے

"الْجَوَارِ" جمع جاریہ، جانے والے، سیارے، قرآنی رسم الخط میں "یاء" تخفیف کے لیے حذف ہوا ہے۔

"الْكُنَّسِ" کانس کی جمع: چھپنے والے۔

اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے (۱۷)	وَ اللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷
--	---------------------------------

(قسم ہے رات کی جب وہ پلٹے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ: "عَسْعَسَ" کا معنی پیچھے ہٹنے کا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ "عَسْعَسَ اللَّيْلِ" متضاد الفاظ میں سے ہے، اور ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: واپس ہونے کا مفہوم یہاں زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں: "عَسْعَسَ اللَّيْلِ" پیچھے جانے اور آگے آنے کے معنی میں ہے، رات کی ابتداء اور انتہاء، جب دن لمبے ہوتے ہیں تو رات دیر سے آتی ہے اور جلدی ختم ہو جاتی ہے، یعنی راتیں چھوٹی ہو جاتی ہے۔

"عَسْعَسَ" کی تعبیر: یعنی وہ شخص جو رات کی تاریکی میں داخل ہوا اور اندھیرے کے خاتمے تک اس میں رہا، اور روشنی اور صبح میں داخل ہونے والا تھا، (وَ اللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ) کی تعبیر رات کی اس حالت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو رات کے ختم ہونے اور انتہا کی دلیل ہے۔

اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے (۱۸)	وَ الصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸
---------------------------------------	----------------------------------

(اور صبح کی قسم جب اس کی علامات نمودار ہو جائیں) اور اس کی روشنی آہستہ آہستہ رات کی تاریکی کو چیر دے، یہاں تک کہ وہ روشنی مکمل ہو جائے اور سورج طلوع ہو جائے، یہ وہ عظیم نشانیاں ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کی عظمت، مقام اور ہر شیطان مردود سے محفوظ ہونے کی ان پر قسم کھائی ہے۔

"تَنَفَّسَ" سانس لیا، (چمکنے لگا) ظاہر ہونے لگا، گویا کہ صبح کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اداسی کے دباؤ سے آزاد ہو کر راحت کا سانس لیتا ہے، اس سے مراد روشن ہونا ہے، (ملاحظہ کیجئے سورۃ مدثر: 34)۔

کہ بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے (۱۹)	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝۱۹
--	--------------------------------------

اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہے، جس نے قرآن کریم کو رب کے پاس سے اتارا، جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

جو صاحبِ قوت مالکِ عرض کی ہاں اونچے درجے والا (۲۰)	ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾
--	---

"ذِي قُوَّةٍ" اس کے پاس زبردست طاقت ہے، "قُوَّةٍ" قدرت اور طاقت کے معنی میں ہے، اور اس قابلیت اور صلاحیت کو کہا جاتا ہے جو کسی آدمی میں کسی کام کو انجام دینے کے لیے موجود ہوتی ہے، اور تمام مخلوقات میں یہ صلاحیت موجود ہے۔

جبریل کی صفات:

- 1 - رسول: رب کی طرف سے بھیجا ہوا۔
- 2 - کریم: عظیم مرتبہ والا، معزز۔
- 3 - ذِي قُوَّةٍ: مضبوط اور طاقتور، اور چھ سو پر والا، قوم لوط کو ایک پر سے آسمان تک اُٹھا کر زمین پہ پٹخ دیا تھا "أَنَّهُ رَأَىٰ جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةٍ جَنَاحٍ" (بخاری: 3232 و 4856 و 4857 و مسلم: 174) ترجمہ: "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل کو دیکھا (اصلی صورت میں) کہ اس کے چھ سو پر ہیں۔"

4 - مکین: اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ کا مالک، بڑا باوقار، مُطَاع: رئیس ہیں: اور دوسرے فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں، جس کی فرمانبرداری کی گئی، وہ فرشتہ کریم ہے، اور اس کی بات بھی کریم و شریف ہے، اور اپنے فرائض کو انجام دینے میں طاقتور اور مضبوط ہے، اور اس پیغام کو مضبوطی سے پہنچاتا ہے، اور عرش والے اللہ کے ہاں عظیم مقام و مرتبہ والا ہے، ایسا مضبوط اور طاقتور ہے کہ کوئی انس اور جن اس سے وحی چھننے اور اس میں کمی اور اضافے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

سردار (اور) امانت دار ہے (۲۱)	مُطَاعٌ ثُمَّ أَمِينٌ ﴿۲۱﴾
-------------------------------	----------------------------

"مُطَاعٌ" اس کا حکم مانا جاتا ہے، اس کی فرمانبرداری کی جاتی ہے، "ثُمَّ" وہاں، اس سے عالم بالا اور ملکوتِ اعلیٰ مراد ہے کہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ملاءِ اعلیٰ میں جبرائیل کی اطاعت کی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ مقرب فرشتوں میں سے ہے، اس لیے اس کی فرمانبرداری کی جاتی ہے، اور وہ امانت دار بھی ہے، جو حکم اس کو دیا جاتا ہے، بغیر کمی بیشی کے اور مقررہ حد سے نکلے بغیر اس کو انجام دیتا ہے، یہ سب خدا کے نزدیک قرآن کی عظمت و شرافت کی دلیل ہے، خدا تعالیٰ نے قرآن کریم اس عظیم فرشتے کے ذریعے بھیجا ہے جو ایسی کامل صفات سے متصف ہے، اور یہ دستور ہے کہ بادشاہ اس شخص کے ذریعے اہم پیغام بھیجتا ہے جو بادشاہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے محترم، مقرب اور قابل ہوتا ہے، جب حامل قرآن فرشتے کی عظمت

بیان کی تو اب جس انسان پر قرآن کریم اتارا گیا ہے، اور اس پر لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری ڈالی ہے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور (مگے والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد) دیوانے نہیں ہیں (۲۲)	وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۚ
---	---------------------------------

اور اس کو اچھی طرح پہچانتے ہو، اور اس کی عقل و فراست، شخصیت اور عظمت کا اعتراف کرتے ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں ہے، جیسا کہ ان کی رسالت کو جھٹلانے والے دشمن کہتے ہیں اور ان پر تہمت لگا کر چاہتے ہیں کہ ان کے لائے ہوئے قرآن کی طرف دی جانے والی دعوت کو خاموش کر دیں، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عاقل اور سچا ہے۔

"صَاحِبٌ" (دوست اور ساتھی) مُصَاحِبٌ وَمُعَاشِرٌ، صاحب کی تعبیر، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سالوں قریش کے درمیان زندگی گزار رہے تھے، اور وہ اسے امین کہتے تھے، جب تک ان پر وحی نہیں آئی تھی، وہ لوگ اسے عقلمند، ہوشیار، فرزانه سمجھتے تھے، لیکن اس کے بعد اس کو دیوانہ کہنے لگے۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے (۲۳)	وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۚ
---	---

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شبہ یقینی طور پر جبرئیل علیہ السلام کا (عالم بالا، سدرۃ المنتھی میں فرشتے کی صورت میں مشاہدہ فرمایا) "رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علی صورتہ التي خلق علیہا" ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو اس شکل و صورت میں دیکھا جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق فرمائی تھی۔ (تفسیر جلالین)۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام وحی کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے، کیونکہ روایات میں ایسے کافی واقعات مذکور ہیں کہ آپ علیہ السلام فلان کام میں مشغول تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل ہمیشہ آپ کے ساتھ نہیں تھے، اگر جبرئیل ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوتے تو پھر نزول معنی نہیں رکھتا، اس لیے کہ نزول کا معنی ہے بلند سے نیچے کی طرف آنا، اترنا اور اگر وہ ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہوتے تو پھر نزول کا کوئی معنی نہیں۔

جبرئیل کا ساتھ ہونا یا نہ ہونا آپ علیہ السلام کے بشر ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا، جبرئیل علیہ السلام کا کام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کرنا تھا، جبرئیل کے ساتھ ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرشتہ ہونے میں کوئی تلازم نہیں ہے (یعنی جبرئیل کے ساتھ ہونے سے رسول کا فرشتہ بننا یا فرشتہ کی صورت اختیار کرنا لازم نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔

اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں (۲۴)	وَمَا بُوعَلِي الْعَيْبِ بَضَيْنٍ ۚ (۲۴)
--	--

وہ (محمد امین ہے آسمانی وحی کے مطالب تم سے نہیں چھپاتا، اور نہ اس کے اعلان کرنے میں ہچکچاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے میں ہرگز بخیل نہیں کرتے) "الغیب" سے مراد وحی، یعنی: ہر وہ چیز جو قیامت، اللہ کی ذات و صفات، اور جنت و دوزخ، فرشتے وغیرہ کے بارے میں خدا کی طرف سے رسول کو پہنچایا گیا ہو۔

"ضنین" بخیل، تنگ نظر، اس آیت کا مقصد اصلی یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دین کے امور کی تبلیغ میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے، جو کچھ وہ جانتے ہیں آپ لوگوں کو سکھاتے ہیں، وہ کاهنوں اور جادوگروں کی طرح نہیں کہ اپنی سیکھی ہوئی چیز دوسروں کو نہ بتائے۔

اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں ہے (۲۵)	وَمَا يُبْقُولِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۚ (۲۵)
---	---

غافل لوگ کدھر جا رہے ہو؟

گذشتہ آیات میں یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کیونکہ اس کے موضوع اور طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے، جسے خدانے پوری طاقت اور بھروسے کے ساتھ اس نبی پر نازل کیا جو عقل میں سب سے زیادہ معتدل ہے، یہاں اس عظیم کلام کی پیروی نہ کرنے پر مخالفین کو سرزنش کرتے ہوئے تو بیخی سوال پوچھا گیا ہے:

پھر تم کدھر جا رہے ہو (۲۶)	فَإِن تَذَبُّونَ ۚ (۲۶)
----------------------------	-------------------------

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کے سامنے حق اور سچ پیش کر کے حجت تمام کر دی ہے، اب اس کے علاوہ جس جگہ اور جس راستے پر چلو گے گمراہی اور الجھنیں ہوں گی۔

یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے (۲۷)	إِنْ بُوَالَا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۚ (۲۷)
---	--

اس مناسبت سے سب کو نصیحت کرتا ہے، خبردار کرتا ہے، تاکہ غفلت کی نیند سے جاگ جائیں، کیونکہ راہنمائی اور تربیت کے لیے صرف بھاگ دوڑ اور سرگرمی ہی کافی نہیں ہے، بلکہ قابلیت کا ہونا بھی شرط ہے، ایک آیت میں فرماتے ہیں: قرآن کریم بیداری کا ذریعہ ہے تم میں سے اس شخص کے لیے جو صراط مستقیم چاہتا ہو:

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾	(یعنی) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے (۲۸)
---	---

گذشتہ آیت اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا فیض بیان کرتی ہے، اور یہ آیت اس فیض سے مستفید ہونے کی شرط بیان کر رہی ہے، دنیا کی تمام نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کا فیض عام ہے، لیکن ان سے فائدہ اٹھانا مشروط ہے انسان کے ارادہ اور عزم کے ساتھ۔

آیت کا سبب نزول :

ابن جریر اور ابن ابی حاتم سلیمان بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ : اس آیت کے نزول کے بعد ابو جہل نے کہا تھا: ہم کو اختیار دیا گیا ہے، اگر چاہیں تو استقامت رکھیں نہ چاہیں تو نہ رکھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: "تم نہیں چاہ سکتے ہو مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہے" اس آیت کے سبب نزول میں غور و فکر کے بعد ایک اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ مشیت بشری مشیت الہی پر موقوف ہے، البتہ یہ انسان کی مجبوری کی معنی میں نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ازلی علم کے ساتھ پہلے جانتا ہے، پھر چاہتا ہے، اور پھر اپنی قدرت کا اس امر کے ساتھ اظہار فرماتا ہے، اس لیے اس کا علم کشف کرتا ہے اجبار نہیں، یعنی رب تعالیٰ اپنے علم ازلی کے ساتھ جانتا ہے کہ مثلاً زید اپنی زندگی میں کیا کیا کام انجام دے گا، پھر اس کے کاموں کے ہونے کو چاہا، اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ سے ان کاموں کو بوقت واقع ظاہر فرمایا۔

قضا و قدر:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾	اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہے (۲۹)
---	--

مفسرین فرماتے ہیں: یہ مسئلہ قضا و قدر سے مرتبط ہے، اس لیے قضا و قدر کے بارے میں گہری سمجھ ہونی چاہیئے تاکہ اس آیت کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجائے، قضا و قدر کا مسئلہ بہت وسیع ہے، اور مسئلے کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اور ہماری رائے تو یہ ہے کہ ایسے مسائل میں نہ الجھاجائے، کیونکہ علماء نے ایسے مسائل پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے، اور کبھی ایسے سوالات ان کے سامنے آئیں گے، جن کا جواب دینا مشکل ہو گا، لیکن اگر چاہیں تو بعض اشارات قضا و قدر کے مسئلے پر کرسکتے ہیں، سب سے پہلے قضا و قدر کے چھ مراتب کو اور ان چھ مراتب کے باہم ربط کو سمجھنا چاہیئے۔

1- سب پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کی تحقیق کو جو ہو چکی ہے، یا آئندہ وقوع پذیر ہوگی جانتا ہے۔

2- رب تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر کو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

3 - خدا تعالیٰ کے نہ تبدیل ہونے والے ارادے پر ایمان اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے، اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہو گا۔

4 - تخلیق کرنا اور پیدا فرمانا یہ پروردگار کی طرف سے ہے، اور جو کچھ وہ چاہے گا اس کی تخلیق فرمائے گا، اور جو نہیں چاہے گا نہیں فرمائے گا۔

لیکن شاید بعض لوگوں کے لیے یہ بات سمجھنا مشکل ہو کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ انسان کے آئندہ کے اعمال سے باخبر ہے، اور دوسری طرف انسان کو صاحب ارادہ بنایا، اسی طرح اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ کل لوگ کیا عمل کریں گے، اور ان اعمال کو روز اول سے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، اور اسی کانام تقدیر رکھا ہے، مثال کے طور پر دوبھائی ہیں اللہ تعالیٰ روز اول سے جانتا ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ارادے سے شرک اور کفر کو ترجیح دے گا، حالانکہ اسلام کی طرف اس کی راہنمائی کردی گئی ہے، اور اس کے لیے اسلام کو آسان بنادیا گیا ہے، مگر وہ شخص اپنے اختیار کی بنیاد پر اس کو نہیں اپناتا تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس بندے کی راہ کو شرکی راہ رکھا ہے، اگرچہ وہ راہ بندے نے اپنے اختیار سے چنی ہے۔

جبکہ دوسرا بھائی اپنے اختیار سے حق کو تسلیم کر لیتا ہے، اور اسلام کی راہ اپناتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے اس کے عمل کو جانتا تھا، چنانچہ لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ یہ بھائی راہ سعادت پر گامزن ہوگا، اسی وجہ سے انسان کو صاحب ارادہ و اختیار بنا گیا ہے کہ وہ خیر یا شر کو خود منتخب کرے، چنانچہ فرماتا ہے: **إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا** (سورہ انسان 3)

یعنی: (ہم نے اسے راستہ دکھا دیا) (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکر (وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيُكْفُرْ) (سورہ کہف 29) (اور کہدو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے)۔

اب اگر مذکورہ آیت کی طرف لوٹتے ہیں؛ تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مذکورہ بالا وضاحتوں کے مطابق انسانوں کے ارادے تب کار آمد ہوں گے جب ان پر اللہ تعالیٰ کا اذن ہو اجازت ہو، یعنی انسانوں کو اختیار ہے کہ قصد کر لیں، ارادہ کر لیں اور اپنا پسندیدہ عمل انجام دے دیں۔

اپنے عزم پر قدم اٹھانے کے بعد اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرتے ہیں، لیکن اس درمیان میں اب بھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ حاکم ہے، اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا تو تب انسانی ارادہ جو اس نے اپنی مرضی سے کیا ہے عملی انجام کو پہنچے گا۔

یعنی: صرف انسانوں کے ارادے کسی عمل کو انجام دینے کے قابل نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا اذن انسان کے ارادے کے لیے شرط ہے:

فرض کریں کہ ایک شخص کسی سفر پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لیے وہ اپنے آپ کو تیار کر لیتا ہے، اور سفر کی ضروریات کا بھی بند و بست کرتا ہے، اس حالت میں اگر رب تعالیٰ نے اس آدمی کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا تو اس صورت میں وہ شخص سفر پر جاسکتا ہے، اگر رب تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق ایسا ارادہ نہیں فرمایا تو وہ شخص جتنا بھی ارادہ کرے اگرچہ سفر کی ابتدائی ضروریات بھی تیار کرے، لیکن وہ سفر پر نہیں جاسکے گا۔

اس موقع پر کھاجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ فرمایا کہ سفر کا ارادہ کرنے والا شخص اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہناسکے۔ مختصر یہ ہے کہ کسی بھی عمل کو انجام دینے کے لیے انسان کے لیے دو شرطیں لازمی ہیں:

1- سب سے پہلے انسان کسی عمل کو انجام دینے کا ارادہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

2- اس کے بعد اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انسان کی طرف سے کیا گیا ارادہ انجام پائے گا۔

اس لیے اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ نہ کرے تو وہ کام انجام نہیں پائے گا، اور اگر کسی کام کے انجام دینے کا ارادہ کر بھی لے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ کام عملی صورت اختیار نہیں کرے گا۔

اس وجہ سے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انسان کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور جو فعل ہم انجام دیتے ہیں وہ ہماری کمائی ہے، لیکن اس کا خالق رب تعالیٰ ہے، ہم ارادہ کرتے ہیں اور مقصد تک پہنچنے کے اسباب کا بند و بست کرتے ہیں، لیکن کام کے نتیجہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ ہے۔

جیسے ایک شخص کسی عمارت سے خود کو گرا کر خود کشی کرنا چاہتا ہے، لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہے مرا نہیں ہے، یا ایک شخص زہر کھا لیتا ہے، لیکن وہ زندہ بچ جاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا تھا کہ اس شخص کی خود کشی کا ارادہ عملی صورت اختیار کرے، اور اس شخص کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا اذن حاصل نہیں کر سکا۔

اس مسئلہ میں غور و خوض کے بعد ایک انتہائی اہم نکتہ پر پہنچتے ہیں: اور وہ یہ ہے کہ بشر کی مشیت اور ارادہ موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر، البتہ یہ انسان کو مجبور کرنے کے معنی میں نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ازلی علم کے ساتھ جانتا ہے، پھر ارادہ کرتا ہے اور اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کا کشف کرنے والا ہے، مجبور کرنے والا نہیں، پس جاننا

چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ جو ارادہ انسان کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس پر (اذن) اجازت عنایت فرماتا ہے، مگر یہ کہ اس کی حکمت کے مقتضا کے خلاف نہ ہو، اور یہ اس لیے تاکہ انسان اپنا اختیار بھرپور طریقے سے استعمال کرسکے، اور اپنی مرضی سے انجام دینے والے عمل کے لیے جواب دہ ہو۔

مثلاً رب تعالیٰ اپنے ازلی علم کے ساتھ جانتا تھا کہ احمد اپنی زندگی میں کیا کیا کام انجام دے گا، پھر اس کے کاموں کے ہونے کا ارادہ فرمایا، اور پھر اپنی قدرت کاملہ سے ایک موقع پر ان کو ظاہر کیا، اس کی مشیت اور چاہت نافذ العمل ہے، ممکن ہے کوئی چیز اس کی چاہت کے مخالف ہو، یہ آیت اور اسی طرح کی دوسری آیتیں دوقرآن قدریہ اور جبریہ پر ردھیں جو کہ رب کی چاہت کی نفی کرتے ہیں۔

(وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) (29).

خدا تعالیٰ نے "الْحُخْسِ" کی قسم کھائی ہے، یہ وہ ستارے ہیں جو معمول کی گردش سے مشرق کی طرف واپس چلے جاتے ہیں، یہ سات متحرک ستارے ہیں، جیسے: سورج، چاند، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل، عطارد، یہ سات ستارے دوقسم کی حرکت کرتے ہیں:

1- ان کی ایک حرکت مغرب کی طرف ہے تمام ستاروں اور افلاک کے ساتھ۔

2- اور دوسری مشرق کی سمت سے الٹی حرکت جو کہ صرف یہ سات ستارے کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے واپس پلٹنے کی صورت اور حرکت کی حالت پر اور چھپ جانے پر قسم کھائی ہے، البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ "لُحْسِ" سے مراد تمام ستارے اور سیارے وغیرہ ہوں۔

جبرئیل امین قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کے حامل

دین ابراہیمی میں جبرئیل علیہ السلام ان چار مقرب فرشتوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کے درمیان رابط کی حیثیت رکھتا ہے، یہودیت اور مسیحیت اور دین اسلام میں جبرئیل کے کردار کے بارے میں بہت بحث ہوئی ہے، انسانوں میں سے نبی علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی فرشتوں کو اور خاص طور پر جبرئیل علیہ السلام کو اس کی اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ قدرت اور صلاحیت نہیں دی ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دومرتبہ جبرئیل کو اس کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا ہے۔

پہلی بار: بعثت کے تین سال بعد، صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن چلتے ہوئے ایک آواز کانوں سے ٹکرائی، سر اٹھا یا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ ہے جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی

پر بیٹھا ہواتھا، اس منظر کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا، اور میں گھر واپس لوٹا اور کہا: میرے اوپر کوئی چادر یا رضائی ڈال دو، (بخاری: ج- 27/1 نمر: 4).

دوسری بار: جب جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات آسمانوں کی طرف لے گیا، "سورہ نجم" میں دونوں مرحلوں کی طرف اشارہ ہوا ہے: عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى * ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى * وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى * ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى * فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى * فَأَوْحَى إِلَيْهِ عَبْدُهُ مَا أَوْحَى * مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى * أَفَتُمَارُونَهُ عَلَيَّ مَا يَرِي * وَلَقَدْ رَأَهُ نَزْلَةً أُخْرَى * عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى * عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى * إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى * مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى (نجم: 5-17).

ترجمہ: ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا، (وہ جو پختہ حکمت اور پاکیزہ خیالات رکھتا ہے)، (یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ (اپنی فرشتے والی شکل میں جو اپنے پروں کے ساتھ آسمان کے کناروں کو بھر دیتا تھا) سیدھا آکھڑا ہوا، اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھا، پھر جبرائیل قریب ہوئے اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ اس کا فاصلہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فاصلہ دو کمان جتنا یا اس سے کم رہ گیا، پھر جبرئیل نے اللہ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچائی، جو وحی پہنچانی تھی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں جھٹلایا جس کو اس نے آنکھوں سے دیکھا تھا، کیا تم اس کے ساتھ اس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا ہے، اس نے تو دوسری بار (معراج کی رات) اس کو دیکھا ہے، بیری کے درخت کے پاس، وہ جنت جو کہ پرہیزگاروں کی منزل اور ٹھکانہ ہے اس کے پہلو میں ہے، اس وقت ایسی چیزیں تھیں جس نے بیری کو گھیر لیا تھا، محمد کی آنکھیں دائیں بائیں دیکھنے میں غلط نہیں ہوئیں، اور نہ نگاہ تیز ہی ہوئی اور نہ ہی سرکشی کی۔ عظمت والے رب نے قرآن میں جبرئیل امین کی عظیم صفتوں کے ساتھ تعریف کی ہے: جیسا کہ فرمایا: فَلَا أُفْسِمُ بِالْخُنُوسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝۱۶ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝۱۷ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝۱۹ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝۲۰ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝۲۱ (سورہ التکویر 15 - 21)

ترجمہ: ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، اور جو چلتے چلتے غائب ہو جاتے ہیں، اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے، اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے، کہ بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے، جو صاحب قوت مالکِ عرش کے ہاں اونچے درجے والا، سردار (اور) امانت دار ہے۔

صفت اول: پہلی صفت جبرئیل کی اس کا طاقتور ہونا ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ قرآن عظیم الشان میں فرماتے ہیں: (ذی قوۃ عند ذی العرش) (سورہ التکویر 20).

اور ایسی طاقتوں والا ہے کہ قرآن کریم اور جو کچھ اسے دیا گیا اسے اٹھا نے کی قدرت رکھتا ہے ، اور وہ عرش والے کے نزدیک مقام اور مرتبہ والا ہے۔ "ذی العرش" صاحب عرش رب تعالیٰ ہے۔ "ذی قوۃ" طاقتور اور مضبوط فرشتہ۔

دوسری صفت : "مکین" مرتبہ ، عرش والے رب کے پاس مقام و مرتبہ والا ہے ، یعنی ایسی عزت اور مقام رکھتا ہے ، کہ کوئی دوسرا اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا ۔

تیسری صفت: "طاعت" (مطاع) فرشتوں کے درمیان حاکم ہے ، تمام فرشتے اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں ۔

چوتھی صفت: (أمین) امانت ، قرآن کریم کے لینے اور اس کے پہنچانے میں اور جو کچھ اسے حکم دیا جائے وہ ان میں امین ہے ، یعنی وحی پر امین ہے ، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا ، بلکہ اسے جیسا کہ رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ویسے ہی پہنچاتا ہے ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو دیکھا: رب تعالیٰ فرماتا ہے : وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ . (سورہ التکویر 22)۔

تمہارے دوست اور ساتھی جو تمہارے درمیان بڑا ہوا ہے ، اور اس کو پہچانتے بھی ہو اور اس کی تعریف بھی کرچکے ہو ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں ہے ، اور اے لوگو! (تمہارا دوست) دیوانہ نہیں ہے ، جیسا کہ تم لوگ سوچ رہے ہو : (وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ) (سورہ التکویر 23)۔ ترجمہ: بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (فرشتے) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارے پر دیکھا ہے

دیگر فرشتے:

1 - میکائیل آسمان سے بارش برسانے پر مامور ہے ، کہ رب تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے ۔

2 - اسرافیل جو کہ صور پھونکنے پر مقرر ہے ، جب رب تعالیٰ چاہے گا لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا ، اور جسم قبروں سے نکلیں گے ، اور مکمل ہوجائیں گے ، اور روح کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچے گا ، اس وقت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم فرمانے سے صور پھونکیں گے ، اور ارواح ان اجساد میں داخل ہوجائیں گی ، جو قبروں سے نکلے تھے اور اٹھے تھے ، پھر جس جگہ پر رب نے جانے کا حکم دیا ہے لے جایا جائے گا ۔

3 - ایسے فرشتے جو ماں کے پیٹ میں موجود نطفے پر مامور ہیں : جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے : (حدثنا رسول الله وهو الصادق المصدق : إنَّ أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ثم

يكون مضغة مثل ذلك ثم يرسل إليه الملك فينفيخ فيه الروح ويؤمر بأربع كلمات بكتب رزقه وأجله وعمله وشقى أو سعيد» (متفق عليه) ، رب کے بھیجے ہوئے سچے اور تصدیق شدہ پیغمبر نے فرمایا: یقیناً تم میں سے ایک کی خلقت اپنی ماں کے پیٹ میں اس طرح ہوتی ہے، چالیس دن نطفے کی حالت میں ہوتی ہے، اس کے بعد چالیس دن خون کے لوتھڑے کی صورت میں، پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت میں گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، تین مرتبہ چالیس دنوں کے بعد (جو کہ ایک سو بیس دن 120 بن جاتے ہیں)، رب تعالیٰ ایک فرشتے کو اس کی طرف بھیجتا ہے تاکہ اس میں روح پھونکے، اور فرشتہ چار الفاظ لکھنے پر مأمور ہے، اس کا رزق و ورزی لکھنا، عمر کی مدت، اس کے کردار، اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔

4 - ایسے فرشتے ہیں جو ارواح قبض کرنے اور جان نکالنے پر مأمور ہیں، جب انسان کی عمر اختتام کو پہنچے، اور وہ (ملک الموت) یعنی موت کا فرشتہ ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: (قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ). (سورہ السجدة: 11) اے نبی کہدیجئے: موت کا فرشتہ تمہاری جان لیتا ہے، اور موت کا فرشتہ وہی (ملک الموت) اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہے۔

5 - ایسے فرشتے ہیں جو بنی آدم کے اعمال کی نگرانی کرنے پر مقرر کئے گئے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: (يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ) (متفق علیہ). ایسے فرشتے جو پے درپے تمہارے پاس آتے ہیں، فرشتوں کی ایک جماعت رات کو آتی ہے اور ایک جماعت دن کو۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**